DARYAFT: ISSN 2616-6038 (E), ISSN (P): 1814-2885
Volume 14, Issue 02, (Dec 2022): DOI # https://doi.org/10.52015/daryaft.v14i2.280

سعدیہ امتیاز
ایم فل اسکالر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ، سیالکوٹ۔
ڈاکٹر مشتاق عادل
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ، سیالکوٹ ۔

خالد فتح محمد کے ناول زینہ میں سماجی شعور

Sadia Imtiaz
MPhil Scholar, Department of Urdu, University of Sialkot, Sialkot, Sialkot.
Dr. Mushtaq Adil
Associate Professor, Department of Urdu, University of Sialkot, Sialkot, Sialkot.

Social Counciousness in Khalid Fateh Muhammad's Novel "Zina"

ABSTRACT

Khalid Fateh Mohammad is one of the most famous novelists of the 21st century. His work is an interesting school of diverse themes, however, mainly about recurring mundane issues that concern common people. Khalid Fateh Muhammad's relatively recent novel زینہ is varied in its subject matter. He unpicks social evils and brings forth what follows at their heels, underlining their ramifications for our societal fabric. In this article, we have primarily analyzed the contribution of Khalid's novel زینہ in creating a particular kind of social consciousness in our society.

Keywords: *Relationship, Struggle, Problems, Society, Social Evils, Terrorism, Journalism, Contribution.*

خالد فتح محمد منفرد لہجے کے ناول نگار ہیں۔ ان کے ناولوں میں سماجی شعور کی عمدہ عکاسی کی گئی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنے ہر ناول میں ایک الگ تکنیک کا استعمال کیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کا ہر ناول دوسرے

Received: 07th Aug, 2022 | Accepted: 08th Dec, 2022 | Available Online: 30th Dec, 2022
DARYAFT, Department of Urdu Language & Literature, NUML, Islamabad.
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

ناولوں سے منفرد ہے۔ جس طرح سماجی بگاڑ اور معاشرتی مسائل پر انھوں نے قلم اٹھایا ہے اس طرح ان کے ناولوں میں پیار محبت کے قصوں کے ساتھ ساتھ سماجی حقیقت نگاری نظر آتی ہے۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں ملک کے سیاسی حالات، حکومتی اور ریاستی طاقتوں کے کردار کو بیان کیا ہے۔ سماجی بگاڑ کی تصویر کشی کی ہے اور ان کے سدباب کے لیے تجاویز پیش کی ہیں۔

ناول "زینہ" خالد فتح محمد کی ایک منفرد کاوش ہے۔ پورے ناول میں مرکزی کردار خود سے مخاطب ہے۔ یہ واحد متکلم بیانیے میں لکھا گیا ناول ہے۔ اس ناول کا ہر کردار بلا کا ذہین اور طاقتور دکھائی دیتا ہے۔ اس ناول کا مرکزی کردار حلیم معاشرے کے ایسے نوجوانوں کی نمائندگی کرتا ہے جو آوارہ اور بگڑے ہوئے ہیں۔ یہ ناول مجلسی، معاشی، صحافتی اور سماجی زندگی کو اپنی لپیٹ میں لینے کے ساتھ ساتھ رومانس اور محبت کی بھی عمدہ کہانی پیش کرتا ہے۔ دہشتگردی اور افراد کے لاپتہ ہونے سے متعلق بھی بات کی گئی ہے۔ ناول کے تمام کردار ایسے ہیں جو ہمارے اردگرد گھومتے ہیں جو اپنے ظاہر اور باطن سے مختلف ہیں اور کامیابی کا زینہ طے کرنے کے لیے ہر وہ کام بھی کرتے ہیں جو معاشرے میں ناپسند سمجھا جاتا ہے۔ ناول میں کرداروں کی جرات اور فیصلہ سازی کی قوت کسی غیبی مدد سے آگے بڑھتی نظر آتی ہے۔ ناول میں ہونے والے انکشافات قاری کو کھٹکنے کی بجائے چونکاتے ہیں۔ جو قاری کو بوریت کا شکار نہیں ہونے دیتے۔

ناول میں صحافت جیسے ایمان دار اور مخلصانہ پیشے کے معیار کو گرتے ہوئے دکھایا گیا ہے کہ کیسے ہمارے ملک میں چند پیسوں کی خاطر اس پیشے کو گندا کیا جارہا ہے۔ رشوت لے کر جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ کچھ صحافی لفافہ لے کر خبریں اپنی مرضی کی شائع کرتے ہیں اور چند روپوں کی خاطر اپنا ایمان بیچتے ہیں۔ اس کی عکاسی خالد فتح محمد نے "زینہ" میں کی ہے:

> "میری شہرت کچھ ایسی ہی ہے کہ میں مال لیتا ہوں جو بہت غلط بھی نہیں۔ لیتا ہوں یار جی! زندہ بھی رہنا ہے۔ صحافت ایک ایماندار اور مخلصانہ پیشہ ہے لیکن ہر پیشے کی کچھ ضروریات بھی ہوتی ہیں۔ جن کو مجھے بھی اپنانا پڑا۔"[۱]

ہمارے معاشرے میں مذہب اور فرقہ دو الگ الگ سوچیں بن گئی ہیں۔ ایک فرقے کے لوگ دوسرے فرقے کے لوگوں کے دشمن بن گئے ہیں۔ ہر فرقہ اور مذہب کے لوگ دوسرے مذہب اور فرقے کو خود سے کمتر سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ بھی مذہب کے ٹھیکے دار بنے بیٹھے ہیں جو مذہب کو خود بھی ٹھیک سے نہیں سمجھتے۔ سیاست اور مذہب کے نام پر میدان کارزار برپا کروایا جاتا ہے۔ مذہب کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جھوٹی اور سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے مذہب اور فرقے کا استعمال کیا جاتا ہے۔ فرقوں کے درمیان لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں۔ ایک

فرقے کے لوگ دوسرے فرقے کے لوگوں کی عزت نہیں کرتے۔ فرقوں میں فرق سمجھ کر ایک دوسرے پر حملے کروائے جاتے ہیں۔ جس سے زندگی اپاہج ہو کر رہ جاتی ہے۔ ملک میں حملے اور دھماکے عام ہو جاتے ہیں۔ ناول نگار اس بات کی عکاسی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ان کے نزدیک مذہب اور فرقے دو الگ الگ سوچیں بن گئیں تھیں۔ جس کے نتیجے میں کسی کو کسی پر اعتبار نہیں رہا تھا۔ ایک فرقے والے دوسرے کے دشمن تھے اور فرقوں کے اندر بھی دشمنیاں تھی۔ کوئی کسی کو معاف کرنے اور قبول کرنے کے حق میں نہیں تھا۔"(۲)

سائنس کی ترقی نے اخلاقیات کو متاثر کیا ہے۔ ہر انسان پیسے کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ پیسے کے لالچ میں انسان اتنا اندھا ہو گیا ہے کہ ناجائز ذرائع سے کمانا بھی حلال سمجھتا ہے۔ انسان نے اپنے ایمان کو بیچ کر بے ایمانی کو ہی اپنا ایمان بنالیا ہے۔ آج کے اس دور میں ہر انسان خود غرض ہے صرف اپنا فائدہ سوچتا ہے اسے دوسرے کے نقصان کی کوئی فکر نہیں۔ پھیری والا ہو یا دوکان دار، سیلز مین ہو یا بزنس مین ہر انسان اپنے کاروبار کو چمکانے کے لیے بے ایمانی کا سہارا لے رہا ہے۔ لوگ بے حس ہو گئے ہیں کسی کے نقصان کی فکر کیے بغیر اپنے فائدے کا سوچتے ہیں۔ پیسے کے لالچ میں حلال اور حرام کی پہچان بھول گئے ہیں۔ یہاں تک کہ مفاد کی خاطر رشتوں کی تمیز بھول گئی ہے۔ ناول میں معاشرے کی اس برائی کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"نیچے بازار میں زندگی کا معمول تبدیل ہو گیا ہے۔ خود غرضی نے لوگوں کو اندھا کر دیا ہے۔ ایمانداری اب ایک عیب سمجھی جاتی ہے اور بے ایمان ہونا ہی کامیابی کی دلیل ہے۔ ہر کوئی دولت سمیٹتے ہوئے دوسرے کا حصہ اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔ لوگوں میں عجب بے حسی در آئی تھی۔ جن حالات میں زندگی گزر رہی تھی ان حالات میں زندگی گزارنا ناممکن سا ہو گیا تھا۔ لیکن لوگ پھر بھی جیئے جا رہے تھے۔"(۳)

پاکستان کا تعلیمی معیار خراب ہو تا جا رہا ہے لوگ سیکھنے کی بجائے نمبروں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ تعلیمی نصاب بالکل بدل کر رہ گیا ہے۔ تعلیم کے میدان میں ہر کوئی نمبر حاصل کرنے کی دوڑ میں ہے۔ تعلیمی نصاب میں منطق پیدا کرنے کی بجائے بے دلیلی در آئی ہے۔ نہ تو تعلیم کا معیار بہتر ہو رہا اور نہ ہی تعلیمی نصاب ایسا ہے کی بچوں کی شخصیت میں نکھار پیدا ہو اور ان کو کچھ سیکھنے کو بھی ملے، بلکہ بچوں کی سوچ ایسی بنا دی ہے کہ بس نمبر زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے میں لگے ہیں۔ جو تعلیمی نصاب پڑھایا جا رہا ہے وہ مغربی تعلیم کا درس دیتا ہے۔ ہمارے تعلیمی نصاب سے ہمارے تاریخی اور مذہبی مواد کو ختم کیا جا رہا ہے اور بتدریج ایسا تعلیمی نصاب لایا جا رہا ہے جو ملک کی تاریخ اور اسلامی

تعلیمات سے ہماری آنے والی نسلوں کو بے خبر اور انجان رکھ رہا ہے۔اس پہلو کی عکاسی خالد فتح محمد نے "زینہ" میں بہت خوبصورت انداز میں بیان کی ہے:

> "تعلیم کے معیار بدل گئے تھے اور لوگ علم کی بجائے نمبروں کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔اور نصاب میں منطق کی بجائے بے دلیلی در آئی تھی۔اور جو پڑھایا جارہا تھاوہ دراصل تعلیم کا حصہ نہیں تھا۔ہم دونوں جہالت زدہ تعلیم کو علم میں تبدیل کرنے کی تگ ودو کر رہے تھے۔"(۴)

سیاستدان چند سال سیاست میں آکر ڈھیروں دولت حاصل کر لیتے ہیں۔اور بہت سا سرکاری رقبہ ناجائز قبضوں کے ذریعے سرکاری افسروں کے ساتھ مل کر اپنے نام کروالیتے ہیں اور کچھ رقبہ غریب اور مجبور عوام کو ڈرادھمکا کے ان سے سستے داموں خرید لیتے ہیں۔کچھ سیاست دان تو ایسے ہیں جن کے پاس حکومت میں آنے سے پہلے پھوٹی کوڑی نہیں ہوتی یا پھر ایکڑ دو ایکڑ زمین ہوتی ہے۔وہ لوگ حکومت میں آتے ہی بہت سی زمینوں پر قبضہ جما لیتے ہیں۔ ان سیاسی لوگوں کے اپنے کاروبار تو باہر کے ملکوں میں ہوتے ہیں اور یہاں غریب عوام کا خون چوستے ہیں۔یہاں سے پیسہ اکٹھا کر کے باہر کے ملکوں میں اپنے بچوں کو تعلیم دلاتے ہیں۔یہاں کی زمینیں ان کے لیے بے معنی اور دکھاوا ہوتی ہیں۔سیاست میں آکر یہ لوگ عوام کے پیسے ٹیکسوں کی صورت میں بٹورتے ہیں اور اپنا کاروبار چمکاتے ہیں۔ان کے بینک بیلنس عوام کے پیسوں سے بڑھے ہوتے ہیں۔سیاست میں آنے سے پہلے بڑے بڑے دعوے کرتے اور غریب عوام کو سبز باغ دکھاتے ہیں کہ ہم سیاست میں آکر آپ لوگوں کے لیے کام کریں گے لیکن سیاست میں آتے ہی صرف ملک کا پیسہ اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔اس کے مظاہر اس ناول میں نظر آتے ہیں:

> "دوسرے وہ تھے جنہوں نے سیاست میں آنے کے بعد سوچ سے بھی زیادہ رقبہ ناجائز قبضوں اور سرکاری زمینوں کے محکمہ مال کے افسروں کے ساتھ مل کر ہتھیا لیا تھا یا ضرورت مندوں سے سستے داموں خرید لیا تھا۔میرے علم میں آیا کہ ایک ایسا سیاست دان جس کے باپ کی پندرہ سال پہلے تین ایکڑ زمین تھی اب وہ تین ہزار ایکڑ کا مالک تھا۔ایسے لوگوں کی زمین ان کے لیے غیر اہم تھی کیونکہ وہ باہر کے ملکوں میں بھی اپنے کاروبار قائم کر چکے تھے۔"(۵)

ملک کو دہشت گردی نے بہت متاثر کیا ہے۔خود کش دھماکے ہوتے ہیں۔دہشت گرد نوجوانوں کو جنت کا لالچ دے کر خود کش دھماکے کے لیے تیار کرتے ہیں۔نوجوانوں کو مختلف سنٹروں میں تربیت دی جاتی ہے اور ان کو ذہنی طور پر بالکل مفلوج کر دیا جاتا ہے۔ان کی سوچ ایسی بنا دی جاتی ہے کہ وہ جنت کے لالچ میں اپنی جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔لیکن اگر لوگ ان نوجوانوں کو دنیا میں جنت بنانے کی تربیت دیں تو یہ ملک دہشت گردی سے پاک ہو

جائے اور امن کا گہوارہ بن جائے۔ملک دشمن پاکستان کو دہشت گردی کی لپیٹ میں لے رہے ہیں۔ دہشت گرد نوجوانوں کو لالچ دیتے ہیں کہ خود کش دھماکے کے بعد وہ شہید کہلائیں گے اور جنت میں حوریں ان کا انتظار کر رہی ہوں گی وہ تمہارے گلے میں پھولوں کا ہار پہنائیں گی۔خود کش دھماکے میں وہ اپنی تو جان لیتے ہی ہیں ساتھ کئی بچے یتیم ہو جاتے ہیں،ماؤں کے اکلوتے بیٹے چلے جاتے ہیں اور کئی عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں۔لیکن ان کو فرق نہیں پڑتا یہ جنت کے لالچ میں معصوم جانیں لے لیتے ہیں۔آئے روز کسی مسجد،مدرسے،کالج اور سکول میں خود کش دھماکوں سے معصوم لوگوں کی جانیں لے لی جاتی ہیں۔اصل میں یہ جہادی پیدا کیے گئے تھے جب روس نے افغانستان پر حملے کیے تھے تو امریکہ کے کہنے پر افغانستان کی مدد کرنے کے لیے ان کو پاکستان میں تیار کیا جاتا تھا۔لیکن پھر روس تو افغانستان سے نکل گیا اور افغانستان خالی ہو گیا لیکن بعد میں یہی مجاہد بمبار بن گئے اور خود کش دھماکے کرنے لگے۔خالد فتح محمد نے دہشت گردی کے مسائل کو "زینہ" میں بہت تفصیل سے بیان کیا ہے کہ کیسے یہ نوجوانوں کو ورغلاتے ہیں:

> "خود کش دھماکے کرنے والوں کو جنت کی رسید دی جاتی تھی اور انہیں اوپر جنت میں بھیجنے والے اگر نیچے ہی جنت بنانے کی کوشش کرتے تو کچھ نا بگڑتا۔شاید پورا ملک ہی ان کا یرغمالی تھا۔"(۶)

ہمارے حکمرانوں نے اس ملک کے لیے کچھ نہیں کیا۔جب یہ حکمران اپوزیشن میں ہوتے ہیں تو عوام کو سبز باغ دکھاتے ہیں۔بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں کہ ہم حکومت میں آتے ہی نوکریاں دیں گے ،مہنگائی اور لوڈشیڈنگ ختم کریں گے وغیرہ وغیرہ۔جب انہی حکمرانوں کو عوام ان کے دعوؤں پر یقین کر کے اپنے ووٹوں سے حکومت میں لے آتی ہے تو حکومت میں آتے ہی یہ لوگ اپنی آنکھیں پھیر لیتے ہیں،اپنے تمام کیے گئے دعوؤں کو بھول جاتے ہیں۔پہلی حکومت کی طرح یہ بھی لوگوں کا خون چوستے ہیں۔مہنگائی آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہے۔ملک کو تباہی کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔نہ صرف ملک کو تباہ کرتے ہیں بلکہ تعلیم جس کو ملک کی ترقی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اس کے تعلیمی نصاب تک کو مسخ کر دیتے ہیں۔ان حکمرانوں نے اپنی ملکی اور اسلامی تاریخ تک کو مسخ کر دیا۔تعلیمی نصاب سے اسلامی اور تاریخی مواد کو ختم کر کے مغربی طرز کے مواد کو شامل کیا جا رہا ہے۔حکمران صرف اپنا ذاتی مفاد دیکھتے ہیں اور اپنے ذاتی مفاد کی خاطر تعلیمی نظام کو درہم برہم کر دیا جاتا ہے۔تعلیمی نظام کو ناقص بنا دیا گیا ہے اور ان کے اپنے کاروبار اور بچے باہر کے ملکوں میں سیٹ ہیں،اس لیے انہیں ملک کے نقصان سے کوئی غرض نہیں ہوتی ان کو جہاں اپنا مفاد نظر آتا ہے وہیں بک جاتے ہیں:

"حکومتوں نے اپنے مفاد کے لیے تعلیمی نصاب تک ناقص بنا دیئے ہیں۔ تاریخ مسخ کر دی ہے۔ جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ نصاب میں کسی اور طرح درج ہے۔ یہ کیسے حالات کو صحیح کریں گے۔"(۷)

ہمارے معاشرے کا ایک المیہ جادو ٹونا ہے۔ آجکل جھوٹے اور جعلی پیروں نے جادو ٹونے کا کام شروع کیا ہوا ہے۔ ہر دوسرا بندہ جعلی پیر بنا بیٹھا ہے اور لوگوں سے پیسے بٹورتا ہے۔ ان کاموں پر سب سے زیادہ یقین عورتوں کا ہے۔ وہ جعلی بابوں اور پیروں کے پیچھے اپنا پیسہ ضائع کرتی ہیں۔ ان تعویذ گنڈوں کے چکروں میں گھروں کے گھر برباد ہو گئے۔ عورتوں نے اپنی خوبصورتی اور جوانی کو ان جادو ٹونوں کے چکروں میں چلے کاٹ کر ضائع کیا ہے۔ کمروں میں پندرہ پندرہ دن بند رہ کر جادو ٹونے کیے جاتے ہیں۔ کہیں ساس بہو کا جھگڑا ہے تو کہیں بیوی اور شوہر کی لڑائی جیسے کاموں کے لیے جھوٹے پیروں اور بابوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ کالے جادو سے لوگوں کا سکھ چین تباہ کیا جاتا ہے۔ اس جادو ٹونے نے ہمارے معاشرے میں بگاڑ پیدا کیا ہوا ہے۔ اور اس میں سب سے زیادہ ہاتھ عورتوں کا ہے۔ گھروں میں جادو کرنے کے لیے کمرے مخصوص کیے جاتے ہیں اور ان کمروں میں موم بتیاں اور اگر بتیاں جلائی جاتی ہیں کہ یہاں کوئی جن بابا یا پہنچی ہوئی سرکار رہتی ہے۔ خالد فتح محمد نے اس جہالت کی بھی عکاسی کی ہے۔

"فہیم بیٹا! تمہاری ماں جادو کے چکر میں پڑ گئی ہے۔ تمہارے نانے نے بھی اسی چکر میں اپنا گھر برباد کر لیا تھا۔ ہم نے یہ نہیں ہونے دینا۔ تم اپنی بہن کا خیال رکھا کرو تب مجھے ماں کے گھنٹوں کمرے میں بند رہنے کی وجہ سمجھ آئی۔"(۸)

نوجوان لڑکیاں کو کس طرح ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ناول نگار اس برائی کو سامنے لے کر آیا ہے کہ کیسے گھر سے بھاگی ہوئی عورت کو ذلت اٹھانی پڑتی ہے:

"تمہیں شاید ایسا مسئلہ نہ ہو کیونکہ تم گھر سے بھاگی ہوئی ہو۔ جو گھر سے بھاگ جاتی ہیں وہ کہیں کی بھی نہیں رہتی۔ اسے خاوند یا گھر والے جب چاہے نکال سکتے ہیں۔ تم ابھی تک محفوظ ہو۔ میں آج سوچوں گا کہ تمہیں رکھنا ہے کہ نہیں! آپا جان کا لہجہ دھیما، لاتعلق اور تیز دھار لیے ہوئے تھا۔"(۹)

ہمارے معاشرے میں عورت کو ہمیشہ سے ہی کمزور اور کمتر سمجھا جاتا تھا۔ عورت کو صرف گھر داری چلانے، بچے پیدا کرنے کی مشین اور ان کو سنبھالنے والی سمجھا جاتا تھا۔ عورتوں کو تعلیم نہیں دلوائی جاتی تھی اور گھر سے نکلنے والی ہر لڑکی کو غیر محفوظ سمجھا جاتا تھا۔ مرد ہمیشہ عورت کو خود سے کمتر اور جاہل سمجھتا تھا۔ جیسے جیسے زمانے نے ترقی کی اور انسانوں میں شعور آیا تو عورت تعلیم کے میدان میں آگے آئی۔ تعلیم کو عورتوں کے لیے بھی لازمی سمجھا

گیا۔ آج عورت مرد کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہے۔ اور مرد کی ترقی میں عورت کا ہاتھ ہے۔ زندگی ہر شعبے میں عورت مرد کے برابر کام کر رہی ہے۔ اب یہ توہمات اور شکوک ختم ہو گئے ہیں کہ عورت گھر سے باہر محفوظ نہیں۔ اب عورت خود اپنی حفاظت کر سکتی ہے۔ اپنی عصمت و آبرو کے لیے کوئی بھی قربانی دے سکتی ہے۔ اب عورت مضبوط ہے۔ اس نے معاشرے میں اپنا مقام پیدا کر لیا ہے۔ اس پرانے رواج کو ختم کر دیا ہے کہ عورت ملازمت نہیں کر سکتی۔ ہمیں عورت کو تعلیم کے میدان میں اور زندگی کے ہر شعبے میں آگے لا کر ایک نئی ریت ڈالنی ہے تا کہ لڑکیاں نظام کی فرسودگی سے نکل کر ملازمت کی طرف مائل ہونے لگے :

"ہم نے فرزانہ کو کہیں ملازمت کروا کر وہاں ایک نئی ریت ڈالنا تھی فرزانہ کے بعد وہاں سے مزید لڑکیاں گھروں کی فرسودگی سے نکل کر ملازمت کی طرف مائل ہوں گی۔ مجھے خانزادہ کی باتوں سے حوصلہ ہوا۔ میں نے اسے اپنے توہمات اور خدشات سے آگاہ نہیں کیا۔"(۱۰)

ہمارے ملکی ادارے اور سیاست کے حوالے سے بھی ناول نگار حقیقت کو سامنے لے کر آیا ہے:

"خانزادہ کے مراسلے موصول ہو رہے تھے۔ وہ سوال پوچھتا کہ کیا ہمارا سیاست دان تربیت یافتہ نہیں یا ووٹر جو بار بار انہی لوگوں کو چنے جا رہا تھا جن پر وہ مسلسل الزام لگاتا رہتا کہ وہ ملک چلانے کے اہل نہیں؟ ایسا کیا تھا جو انہیں ہی ووٹ دیتا جنہیں وہ پسند نہیں کرتا تھا۔ کیا ایسا کوئی طریقہ وضع کر دیا گیا تھا کہ انہیں اسی کو ووٹ دینا تھا جو ان کے ووٹ کا اہل نہیں تھا۔"(۱۱)

ملک میں دہشت گردی کا پہرا ہے۔ مسجدوں۔ امام بارگاہوں اور مندروں میں حملے کروائے جا رہے ہیں۔ فرقہ واریت کے نام پر قتل و غارت ہوتی ہے۔ ملک میں مسلسل دھماکے ہو رہے ہیں۔ لوگ آپس میں فرقوں کے نام پر لڑ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کا خون کیا جا رہا ہے۔ ایک فرقے کے لوگ دوسرے فرقے کے لوگوں پر حملے کر رہے ہیں۔ ہشت گردی نے ملک میں خوف وہراس پیدا کیا ہوا ہے اور لوگوں کی جان اتنی سستی ہو گئی ہے کہ ان کا خون گلیوں، بازاروں اور سڑکوں میں عام بہتا ہے۔ لوگوں کی جانوں کی کوئی قیمت نہیں رہی دہشت گرد آپس میں ہی عوام کو فرقہ واریت کے نام پر لڑوا رہے ہیں۔ بے گناہ اور معصوم لوگوں کی جان لی جا رہی ہے۔ یہاں وہ لوگ مرتے ہیں جن کا قصور نہیں ہوتا اور ان لوگوں کو زندہ رکھا جاتا ہے جو قصوروار ہوتے ہیں۔ ناول نگار نے معاشرے کے اس پہلو کی عکاسی اس طرح کی ہے:

"ملک میں مسلسل دھماکے ہو رہے تھے۔ اور لوگوں کی جان ان سڑکوں یا گلیوں اور بازاروں سے سستی تھی جہاں ان کا خون بہتا تھا۔ چودھری نے اس راز سے پردہ اٹھایا۔ اس نے کہا کہ قتل و غارت وہی لوگ کر رہے جنہوں نے اسے روکنا تھا۔"(۱۲)

پاکستان امن کا گہوارہ تھا یہاں امن اور سکون تھا جو ملک دشمن لوگوں کو برداشت نہیں ہوا تو انھوں نے اسے نشانہ بنالیا اب آئے روز صوبوں، فرقوں اور مذہب کے نام پر جانیں لی جاتی ہیں۔ خالد فتح محمد نے اس کو "زینہ" میں اس طرح بیان کیا ہے:

"میں اس ریوڑ میں شامل نہیں ہونا چاہتا تھا جسے ہانکنے والے بے رحم تھے۔ یہ ایک پر امن معاشرہ تھا۔ جسے متشدد بنا دیا گیا ہے۔ یہاں صوبائیت، فرقہ واریت اور زبان کا کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ اب ایک آسیب بن گیا ہے اور ہر گھرانہ اس کا نشانہ ہے۔ میں ایک طویل رفاقت کے بعد ان سے الگ ہو گیا۔"(۱۳)

"زینہ" خالد فتح محمد کا ایک منفرد ناول ہے۔ جو ۲۰۱۹ء میں شائع ہوا اور کافی مقبول ہوا۔ اس ناول میں معاشرے میں سماجی شعور کی بہت خوبصورت انداز میں تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس ناول میں ملکی حالات، صحافت اور دہشتگردی کے بارے بڑی تفصیل سے آگاہی دی گئی ہے۔ دہشت گردی سے ملک میں پیدا ہونے والے خوف وہراس کو بیان کیا گیا ہے اور اس کو روکنے کے لیے تجاویز بھی دی ہیں۔ کیسے ہماری سیاسی جماعتیں اس ملک کے نظام کو چلاتی ہیں ایسے مظاہر کو سامنے لایا گیا ہے۔ اس ناول کا ہر کردار بلا کا ذہین اور طاقتور دکھایا گیا ہے۔ ناول میں رومانیت کا پہلو بھی نظر آتا ہے۔ ہر کردار سماجی پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے۔ اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے کوشاں ہے اور اپنی منزل پانے کے لیے انتھک محنت کرتا ہے۔

خالد فتح محمد نے اپنے ناولوں میں جن موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے ہمارے معاشرے کے مسائل کا پورا فہم ہے۔ وہ ایک نبض شناس کی طرح سماج میں موجود برائیوں کی عمدہ طریقے سے نشاندہی کرتے ہیں۔ کہیں سیاستدانوں کے ہاتھوں عوام کے حقوق سلب کیے جانے کو بیان کرتے ہیں تو کہیں اداروں کی بے جا مداخلت کو موضوع بناتے ہیں۔ کہیں کسانوں پر ہونے والے ظلم کو اجاگر کرتے ہیں تو کہیں سیاسی کارکنوں کے استحصال کو سامنے لاتے ہیں۔ وہ ایسے ناول نگار ہیں جنہوں نے پسماندہ طبقے کے مسائل کی عمدہ عکاسی کی ہے:

"ناول نگار نے غریبوں، کسانوں اور مزارعوں کی زندگی کے دکھوں کی عمدہ منظر کشی کی ہے۔ جاگیر دار اور زمین دار اپنے شوق پورے کرنے کے لیے گھوڑے پالتے ہیں۔ کتوں کی پرورش کرتے ہیں۔ کبوتر، تیتر اور بٹیر پال کر مقابلے کرواتے ہیں۔ گھوڑوں اور کتوں کی پرورش کے لیے انہیں مربے کھلائے جاتے ہیں۔ دودھ پلایا جاتا ہے مگر بد قسمتی سے ان جانوروں کی خدمت کرنے والے انسانوں کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا۔"(۱۴)

خالد فتح محمد نے اپنی زندگی میں جس برائی کو معاشرے میں پایا اس پر قلم اٹھایا ہے۔ وہ ایک حقیقت پسند ناول نگار ہیں۔ ان کے ناول پڑھنے کے بعد قاری تجسس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ خالد فتح محمد کے ناولوں کے کردار ہمارے معاشرے میں چلتے پھرتے محسوس ہوتے ہیں۔ ان کی تحریر کے بارے محمود احمد قاضی کہتے ہیں:

"خالد فتح محمد کے ہر لفظ میں ایک راجپوتی شان جھلکتی ہے۔ وہ ایک ایسا دیوانہ ہے جو ہر وقت ہوش میں رہتا ہے۔ اس میں نثر کے قاری کو اچھی اور معیاری چیزیں پڑھنے کو دی جائیں جب کوئی شخص "پہلی بارش" "ابا کا باغیچہ" جیسے افسانے لکھ لے تو پھر اسے اور کیا چاہیے جب کہ اس کے پاس خلیج جیسا ناول بھی ہو۔ خالد نے افسانے، ناول اور ترجمے میں یکساں مہارت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اردو نثر ان کے کمالات کے بغیر شاید ایسی امیر نا ہوتی جتنی کہ اب ہے۔ خالد فتح محمد اردو ادب کا ایک Front Line کا لڑاکا ہے۔ ان کے کندھوں پر کامیابی کے بلوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ جس طرح محبت اپنا اظہار خود ہوتی ہے اسے ڈربے کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح خالد فتح کا فکشن خود اس کی پہچان بن چکا ہے۔"(۱۵)

خالد فتح محمد ایسے ناول نگار ہیں جنھوں نے اپنے ناولوں میں پاکستانی معاشرے کی شاندار عکاسی کرتے ہوئے ہمارے سماجی رویوں کو عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے۔ ان کے ناول پری، سانپ سے زیادہ سیر اب، خلیج، اے عشق بلا خیز، شہر مدفون، سود و زیاں کے درمیان، کوہ گراں اور زینہ میں سے ہر ایک ناول میں کسی نہ کسی اہم سماجی مسئلے کی نشاندہی کی ہے۔ ناول زینہ اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ اس میں مذہبی منافرت کے مظاہر، صحافت میں درپیش مسائل اور دہشت گردی جیسے اہم موضوعات کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ ناول کے کردار جاندار اور پلاٹ دلکش ہے۔ اس لحاظ سے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خالد فتح محمد کا ناول زینہ پاکستانی سماج کا عمدہ عکاس ہے اور ناول نگار نے سماجی شعور اجاگر کرنے کی کامیاب کاوش کی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ خالد فتح محمد، زینہ، عکس پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۱۹ء، ص:۱۱

۲۔ ایضاً، ص:۳۷

۳۔ ایضاً، ص:۳۷

۴۔ ایضاً، ص:۳۸

۵۔ ایضاً، ص:۴۶

۶۔ ایضاً، ص:۱۷

۷۔ ایضاً، ص:۷۳

۸۔ ایضاً، ص:۹۰

۹۔ ایضاً، ص:۱۰۳

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۱۱

۱۱۔ ایضاً، ص:۱۴۷

۱۲۔ ایضاً، ص:۲۰۲

۱۳۔ ایضاً، ص:۲۰۲

۱۴۔ مشتاق عادل، ڈاکٹر، پاکستانی اردو ناول اور طبقاتی کشمکش، فروغ زبان پبلشرز ساہیوال، ۲۰۲۱، ص:۱۷۲

۱۵۔ عائشہ غوری، خالد فتح محمد کی ناول نگاری ،(مقالہ ایم فل)، مملوکہ: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی ،فیصل آباد، ۲۰۱۶ء، ص:۹

References in Roman

1. Khalid Fateh Muhammad, Zina, Aks Publications, Lahore, 2019, P.11
2. Khalid Fateh Muhammad, Zina, P.37
3. Ibid, P.37
4. Ibid, P.38
5. Ibid, P.46
6. Ibid, P.71
7. Ibid, P.73
8. Ibid, P.90
9. Ibid, P.103
10. Ibid, P.111
11. Ibid, P.147
12. Ibid, P.202
13. Ibid, P.202
14. Mushtaq Adil, Dr, Pakistani Urdu Novel and Tabqati Kashmkash, Faroog e Zaban Publishers, Sahiwal, 2021, P.172
15. Ayesha Ghouri, Khalid Fateh Muhammad ki fateh Nigari, (Mphil Thesis), GC University, Faisalabad, 2016,P.9